مسجد قرطبہ کا فکری اور فنی جائزہ

شکیلہ خانم☆

Abstract:

Religion and art are inseperabely related to each other.Great art has been created under the religious motives.Mosque of Cordova is a master piece of architecture which has been appreciated by not only muslims but also by non muslims.In this article, the famous poem of Iqbal has been analysed critically.

مذہب اور آرٹ میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور ارتقا آرٹ میں مذہبی محرکات کا بھی بہت عمل دخل رہا ہے۔ ان مذہبی محرکات کے زیر اثر آرٹ کے نادر نمونے دیکھنے میں آتے ہیں۔حضرت داؤد علیہ السلام کے مجسمہ سے لے کر عشائے ربانی تصویر تک فن کے بے شمار نمونے مذہبی محرکات کے مرہونِ منت ہیں۔مسلمان بھی آرٹ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے اور پھر فنونِ لطیفہ میں مسلمانوں کے ہاں فنِ تعمیر کو شعری حمایت بھی حاصل ہے۔لہٰذا اس فن میں کوئی قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکی۔مسجد قرطبہ مسجد قوت الاسلام، قصر زہرا، قصر الحمرا اور تاج محل جیسی عمارات مسلمانوں کے فنِ تعمیر کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔اقبال نے ''مسجد قرطبہ کو مذہب دیوؤں کا کارنامہ کہا ہے۔''(۱) اس مسجد کی تعمیر میں کچھ اس قسم کا مسالہ استعمال کیا گیا ہے کہ مسجد کی دیوار پر کبھی کوئی مکھی یا کیڑا مکوڑا نہیں دیکھا گیا۔یہ مسجد مسلمانوں ہی کے لیے باعث فخر نہیں ہے بلکہ غیر مسلم بھی جو متعصب نہیں ہیں۔اسلامی فنِ تعمیر کے اس نادر نمونے کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔عیسائیوں نے اس مسجد کو گرجا میں بدل دیا۔لیکن یہ مسجد اتنی بڑی تھی کہ اس کی وسعت گرجا میں نہ سما سکی۔اس کا ایک حصہ کھلا چھوڑ دیا گیا۔شاہ فرانس جب اس گرجا میں داخل ہوا تو مسجد کو گرجا میں تبدیل کیے جانے پر بجائے خوش ہونے کے گویا ہوا ''جو چیز تم نے بنائی ہے اسے اور جگہ بھی بنا سکتے تھے لیکن جو چیز تم نے منائی ہے اسے کسی اور جگہ پانا ناممکن ہے۔''(۲) یہ ایک غیر مسلم کا اس مسجد کی عظمت کے حضور خراجِ عقیدت ہے۔اس مسجد کی تعمیر میں جو فنی اور جمالیاتی نفاست ملحوظِ خاطر رکھی گئی ہے۔اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ایک مسجد قرطبہ یہ ہے اور ایک ''مسجد قرطبہ'' اقبال کی ''بالِ جبریل'' میں ہے یہ دونوں اپنی بلندی عظمت اور جلال و جمال کے لحاظ سے نادر شاہکار

☆ پی ایچ ڈی اسکالر، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

ہیں اور یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ ''ہسپانیہ کی مسجد قرطبہ زیادہ جمیل وجلیل ہے یا بالِ جبریل کی۔''

میرا موضوع بالِ جبریل کی مسجد قرطبہ ہے اس نظم کے بارے میں جگن ناتھ آزاد نے لکھا ہے کہ اگر اردو شاعری میں اس نظم کے سوا کچھ بھی نہ ہوتا۔تو بھی ہماری شاعری دنیا کی صفِ اوّل کی شاعری میں ایک ممتاز مقام حاصل کر سکتی تھی۔(۳) ''مسجد قرطبہ'' شعریت، رومانیت، حقیقت پسندی، رمزیت اور ایمائیت کا ایک ایسا حسین امتزاج ہے کہ ہماری ساری اردو شاعری روزِ اوّل سے آج تک اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔مسجد قرطبہ کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا سکتا ہے مگر میں یہاں اس نظم کے فکری اور فنی پہلوؤں کا ذکر کروں گی۔فکری لحاظ سے مسجد قرطبہ کے مباحث کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ کائنات کا تکوینی نظام	۲۔ نظریہ فن
۳۔ نظریہ عشق	۴۔ مسجد قرطبہ کا جلال و جمال
۵۔ مردِ مومن	۶۔ مسلم ہسپانیہ کی عظمت وشکوہ
۷۔ اَندلس میں احیاءِ اسلامی	

کائنات کا تکوینی نظام:

اس نظام کا آغاز ''وقت'' کے تصور سے ہوتا ہے کیوں کہ وقت عشق، فن، تاریخ اور انقلاب کے بارے میں اقبال کے نظریات اس نظم کے دردبست میں غالب شعری محرکات کی حیثیت رکھتے ہیں۔وقت کا ایک عام تصور تو یہ ہے کہ وقت ایک ایسا وسیلہ ہے جس کے ذریعے مختلف آفات (Instants) ایک لڑی میں پرو دیے گئے ہیں۔(۴) مسجد قرطبہ میں شاعر نے زمانے یعنی ''وقت'' کی اصل حقیقت اور کائنات میں برپا ہونے والے انقلابات کی ماہیت پر روشنی ڈالی ہے۔دوسرے لفظوں میں اس نے تمہید کائنات کے تکوینی نظام کو واضح کیا ہے جو کچھ یوں ہے۔اللہ تعالیٰ نے روز و شب کا سلسلہ ایک خاص ارادے کے تحت اور ایک خاص مقصد کی خاطر تخلیق کیا ہے۔پروفیسر اسلوب احمد انصاری کے بقول روز و شب کا سلسلہ دو مختلف رنگوں کے تار و پود کی مانند ہے جس کے ذریعے ذات کا مخصوص پیچیدہ تانا بانا تیار کیا گیا ہے۔اس سارے حصے میں وقت کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔''ارسطو نے وقت کو ابدیت کی ایک متحرک پرچھائیں (Moving Image of Eternity) قرار دیا ہے۔''اقبال نے اسے تقدیر کا مترادف بھی جانا ہے اور وقت کا یہی تصور ہے جس کی طرف ایک حدیث قدسی میں اشارہ کیا گیا ہے کہ:

''زمانے کو برا مت کہو کیوں کہ زمانہ خدا ہے۔''

کائناتِ فطرت میں سب امکانات وقت ہی کے توسط سے بروئے کار آتے ہیں وقت ہی ان کے خوب و زشت کو پرکھتا ہے اور اس لحاظ سے اسے ''طیرِ فی کائنات'' کہنا غلط نہ ہوگا۔

سلسلہ روز و شب یعنی خدائی نظام کے جاری رہنے سے ہمیں ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات کا عرفان ہوتا ہے۔

خدا کی یہ کائنات وسعت کے لحاظ سے بے حد وحساب اور لامتناہی ہے اور اس کے اندر ہونے والی تبدیلیاں اور انقلابات بھی غیر محدود ہیں لیکن انسان اپنی خفتہ صلاحیتوں سے کام لے کر کائنات کے وسائل کے ذریعے اصلاح ذات کے فریضے سے تسخیر کائنات کا کارنامہ انجام دے سکتا ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ وقت ایسا میزانی کائنات ہے جو کھری اور کھوٹی چیزیں پرکھ کر الگ الگ کر دیتا ہے۔ زمانہ اس قوم یا فرد کا ساتھ دیتا ہے جو اپنے اعمال وافعال کا جائزہ لیتا رہتا ہے:

کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب

اگر اس معاملے میں ذرا بھی کوتاہی ہو تو زمانہ ایسا بے لاگ منصف ہے جو کسی سے رورعایت نہیں کرتا اور اس طرح یہ گمان گزرتا ہے کہ فنا، عدم یا نیستی ہی اصل حقیقت ہے اور انسان اپنے تمام کمال وفطنات کے ساتھ فنا ہونے والا ہے:

اول و آخر فنا ، باطن و ظاہر فنا
نقشِ کہن ہو کہ نو ، منزل آخر فنا

اقبال فن برائے فن نہیں بلکہ فن برائے زندگی کے قائل ہیں۔ ایک دفعہ علامہ نے فن کی بابت اپنی رائے کا اظہار یوں کیا کہ ''فن کے متعلق میرے دو نظریے ہیں۔ اوّل یہ کہ فن کی غرض محض حسن احساس پیدا کرنا ہے اور دوسرے یہ کہ فن سے انسانی زندگی کو فائدہ پہنچے۔'' پھر اقبال نے مزید فرمایا کہ ''فن زندگی کے ماتحت ہے ہر چیز کو انسان کے ماتحت ہونا چاہیے اس لیے ہر وہ فن جو زندگی کے لیے اچھا ہو مفید ہے۔ اور جو زندگی کے خلاف ہو جو انسانوں کی ہمت کو پست کر دے اور جذبات عالیہ کو مردہ کرنے والا ہو، قابل نفرت اور لائق پرہیز ہے اگر کوئی ہنر تعمیر خودی نہیں کرتا تو وہ اس لائق ہے کہ اسے قانوناً ممنوع قرار دیا جائے۔

اقبال نے کہا کہ اس دنیا میں ہر چیز فنا ہو سکتی ہے لیکن جس کی تخلیق میں ''خدا'' کا ہاتھ ہو۔ اسے فنا نہیں ہے۔ اقبال کے نزدیک فن مصوری ہو سنگ تراشی ہو، فن تعمیر، فن موسیقی، فن نغمہ یا فن شاعری ہو بغیر محنت اور لگن کے اس میں پختگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس میں رنگ ثبات ''دوام'' پیدا کرنے کے لیے خونِ جگر کھپانا پڑتا ہے۔ فنونِ لطیفہ اخلاص، سوزدل اور خونِ جگر کے بغیر تکمیل نہیں پاتے:

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

نظریہ عشق:

مسجد قرطبہ میں ''نظریہ عشق'' کائنات کی سب سے بڑی کائنات ہے اقبال عشق کا ایک ہمہ گیر اور جامع تصور رکھتے ہیں اور میں بہت کچھ فیضان پیر رومی کا بھی ہے۔ دونوں کے نزدیک یہ محض ایک شدید اور گہرے طور پر نفوذ کر جانے والا جذبہ نہیں ہے بلکہ حقیقت کے ادراک اور اس پر دسترس حاصل کرنے کا ایک موثر وسیلہ بھی ہے۔ عشق اقبال کے لیے ایک سلسلۂ اماں ہے اور اگرچہ وقت کا دھارا بھی بہت کچھ شکست وریخت کرنے والا ہے لیکن عشق کی بلاخیزی

اس پر بہر صورت فوقیت رکھتی ہے۔عشق کو ''دمِ جبریل'' اور دلِ مصطفیٰ کہہ کر اسے فیضان اور حق کا مترادف قرار دیا ہے۔اسے خدا کا رسول اور خدا کا کلام کہہ دینا بھی اس امر کا اعتراف ہے کہ عشق ایک آفاقی جذبہ ہے اور یہ لامحدود، ذی روح ذرات کی اس کائنات میں پوری طرح سرایت کیے ہوئے ہے۔حیات و کائنات کی ہر چیز کی بقا عشق میں ہے عشق جہد و عمل ہے۔عشق حرکت ہے۔یہ وہی ہے جسے زندگی کہتے ہیں گرمیِ خون ہے۔عشق کی یہ گرمی ہے جو نارِ نمرود کو گلزارِ خلیل میں بدل دیتی ہے:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

عشق کے بغیر زندگی کمال سے نا آشنا رہتی ہے۔یہ جذبہ انسان کو معراجِ حیات عطا کرتا ہے اسے مستحکم کرتا ہے۔یہ نورِ حیات اور یہی نارِ حیات ہے اور رزم گاہِ حیات میں اس کے وسیلے سے کشود کار ممکن ہے یعنی:

صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق
رزم گہہ حیات ہے بدر و حنین بھی ہے عشق

یعنی عشق ''سدرۃ المنتہیٰ'' ہے یہ وہ قوت ہے جو خدا سے ہم کلام ہو سکتی ہے۔

مسجد قرطبہ کا جلال و جمال:

عشق کی اہمیت کے بعد اقبال کا قلم اصل موضوع یعنی مسجد قرطبہ کی طرف مڑ جاتا ہے کیوں کہ مسجد قرطبہ کی اصل بنا ہی عشق پر استوار ہے:

حرم قرطبہ عشق سے تیرا وجود (۴)

یہاں اقبال ذوق و شوق کا ذکر کرتے ہوئے پھر سلسلہ کلام مسجد قرطبہ سے جا ملاتے ہیں۔مسجد قرطبہ کے جلال و جمال کے بارے میں:

تیرا جلال و جمال ، مردِ خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل

مسجد قرطبہ کے حسن و عظمت میں اقبال کو مردِ مومن کے جلال و جمال کی جھلک نظر آتی ہے کیوں کہ وہ بلا شبہ الوہی صفات سے متصف ہے۔اس کے بلند مینار جلوہ گر جبریل کا سحر پیدا کر دیتے ہیں۔ایک موقع پر اقبال نے اندلس کی اسلامی یادگاروں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک عجیب بات کہی تھی کہ ''مجھے وہاں کی تین عمارتوں میں بڑا فرق نظر آیا۔قصر زہرا دیوؤں کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے۔مسجد قرطبہ مہذب دیوؤں کا مگر الحمرا محض انسانوں کا۔''(۵) اقبال کے نزدیک زندگی کا سب سے اعلیٰ اظہار قوت جلال و جمال کی شکل میں ہوتا ہے مگر وہ جس میں صحابی شان بھی ہو ان کی رائے میں قوت و جلال اظہارِ حسن کی ایک خاص شکل ہے اس بات کو اقبال جا بجا دہراتے ہیں:

ترے لیے ہے فقط زورِ حیدری کافی

ترے نصیب فلاطون کی تیزی ادراک

اقبال جلال و جمال سے متاثر ہیں اور مسجد قرطبہ میں یہی چیز انھیں متاثر کرتی ہے۔ڈاکٹر یوسف حسین کے بقول مسجد قرطبہ ایک جلیل القدر قوم کی جفاکشی، جان بازی، مہم جوئی اور بلند خیالی کی زندہ تصویر ہے۔(۶)

نظریہ مردِ مومن:

مسجد قرطبہ اور مردِ مومن میں جلال و جمال کی صفات مشترک ہیں۔ چناں چہ اقبال کا سلسلہ مردِ مومن کی طرف مڑ جاتا ہے۔مردِ مومن کی تعریف اقبال نے ذیل کے اشعار میں بہت خوبی اور وضاحت سے کی ہے:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ایک اور جگہ مردِ مومن کی شان بیان کی ہے:

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا ، کار ساز

اقبال نے بندہ مومن کی عظمت کا اعتراف مسجد قرطبہ کے حوالے سے کیا ہے۔مسجد کی بلندی، وسعت، خوبصورتی، روشنی اور رعنائی سے مردِ مومن کے جلال و جمال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔گویا اس کی شخصیت مسجد قرطبہ کی صورت میں منعکس ہے۔اقبال کے مردِ مومن میں توازن اور ضبط بھی ملتا ہے۔وہ گفتگو میں نرم اور حزم و احتیاط کا پابند ہے لیکن جستجو میں ہمہ وقت منہمک رہتا ہے:

نرم دم گفتگو ، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک و دل پاکباز

مسلم ہسپانیہ کی عظمت و شکوہ:

اب پھر اقبال، مسجد قرطبہ کو ''کعبہ ارباب فن'' اور ''سطوتِ دینِ مبین'' کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔اس بند میں اقبال اندلس کے باسیوں اور عربی شہسواروں اور مردانِ حق کا ذکر کرتے ہیں جو حامل خلق عظیم اور صاحب صدق و یقین تھے۔یہ لوگ ذاتی اوصاف کے اعتبار سے مثالی مسلمانوں کی نمائندگی کرتے تھے۔ل اس میں طارق بن زیاد کا ذکر ہے جس نے ساحل اندلس پر اترتے ہی اپنی کشتیوں کو جلا دیا تھا۔پھر ان لوگوں کا ذکر ہے جو ان غازیوں کے وارث بنے جو بحکمرانی کو فقیری سمجھتے تھے۔ان کے کردار و نمونے کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔خصوصاً ان مسلمانوں کی جنھیں اس مسجد کی بنیاد رکھنے کا شرف حاصل ہوا۔اس مسجد کی تعمیر میں عبدالرحمٰن الداخل اس کے بیٹے ہشام اور مسجد کی تکمیل میں ابن ابی عامر المنصور کا بڑا ہاتھ ہے۔اس نے اپنے دور میں ۵۶ لڑائیاں لڑیں لیکن کبھی

شکست نہ کھائی۔عیسائی اس کا نام سن کر کانپتے تھے۔ہسپانیہ کے یہی لوگ تھے جنھوں نے مشرق ومغرب خصوصاً یورپ کو علم وفضل سے روشناس کرایا اور تمدنی آداب سکھائے مورخ (Dozy) کا بیان ہے کہ اس زمانے میں اندلس میں شاید ہی کوئی شخص ہو جو پڑھا لکھا ہو۔یورپ کی حالت بھی پتلی تھی۔لیکن قرطبہ یونی ورسٹی علوم وفنون کے مختلف شعبوں اور تعلیم کی بلند معیاری کے لیے دنیا بھر میں مشہور تھی۔آج کا یورپ اس دور کے مسلم ہسپانیہ کا مرہونِ منت ہے۔ جنھوں نے اپنے رہنے سہنے کھانے پینے اور مدنی احساس کے طریقے بتلائے۔آج صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان لوگوں کے ایسے نشانات مل جاتے ہیں جو اس دور کی یاد دلاتے ہیں۔

اندلس میں احیائے اسلامی:

اقبال مردِ مومن کے بارے میں بتاتے ہوئے پھر مسجد قرطبہ کی طرف آجاتے ہیں اور ان کا خیال اندلس میں دنیائے اسلامی کی طرف مڑ جاتا ہے۔اقبال کا ذہن پھر خیالوں میں کھو جاتا ہے۔وہ سوچتے ہے اگر جرمن پادری مارٹن لوتھر کی اصلاح مذہب کی تحریک کامیاب ہوسکتی ہے۔انقلاب فرانس فرانسیوں کی کایا پلٹ سکتا ہے اور اٹلی کی مسولینی کی قیادت میں عظمت و برتری حاصل ہوسکتی ہے تو پھر مسلمانوں کے لیے تجدید ملت واحیائے دین بھی ممکن ہے۔ اقبال نے جرمنی فرانس اور اٹلی کے انقلابات کا ذکر محض اس لیے کیا ہے کہ اندلسی مسلمان بالخصوص عام مسلمان پر جو سقوط وجمود طاری ہے وہ ختم ہو۔یہ شعر دیکھیے:

دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا؟
گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا؟

اس شعر کی بنیاد پر اس مفروضے بلکہ یقین پر ہے کہ قوموں کی زندگی مرگ اور حیات نو ایک گردش (Death Cycle) Ressu-rection میں پیوست ہے۔اس خیال کو علامہ نے ایک اور شعر میں یوں بیان کیا ہے:

تخم گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشو و نما کے واسطے بے تاب ہے

یہ اصول کائنات میں جاری وساری ہے۔آخری بند میں اقبال اپنے گردوپیش پر نظریں دوڑاتے ہیں اور فطرت کی حسین نقش گری سے گہرے طور پر متاثر ہوتے ہیں۔مسلمانوں کی عظمت وشوکت کا عبرت ناک زوال یورپ پر مسلمانوں کے احسانات اور یورپ کی احسان فراموشیاں ان سب چیزوں کی یاد اقبال کے قلب وذہن کو جذبات کا محشرستان بنائے ہوئے ہے۔اقبال مسلمانوں کے مستقبل سے مایوس نہیں ہیں وہ ایک دفعہ پھر ہسپانیہ میں احیائے اسلامی کے خواب دیکھ رہے ہیں لیکن اس کے لیے مسلسل محنت اور تگ ودو کی ضرورت ہے۔امتوں کا انحصار کش مکش انقلاب کے اصول پر ہے لیکن انقلاب کا وقوع پذیر ہونا عمل پیہم اور احتساب خود پر ہے۔ایسی ملت جو سرگرم عمل بھی ہو اور وقتاً فوقتاً اپنے اعمال کا جائزہ بھی لیتی رہے۔وہ خود تقدیر کے ہاتھوں میں ایک ''شمشیر براں'' بن جاتی ہے یعنی

اس کے منشا اور ارادوں کے حصول کا ایک موثر اور یقینی ذریعہ:

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات ، کش مکش انقلاب
صورت شمشیر ہے دشت فضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

ان اشعار میں اقبال نے انقلاب کی بشارت دی ہے۔اگر مسلمان اپنے آپ کو اہل ثابت کریں تو قرطبہ میں پھر سے اذانیں گونج سکتی ہیں۔فلسطینی اپنے لیے ایک علاحدہ وطن حاصل کر سکتے ہیں۔لیکن اس کے لیے شرط یہی ہے کہ مسلمان خود کو اس کا اہل ثابت کریں۔خدا تو خود کہتا ہے:

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

فنی جائزہ:

مسجد قرطبہ ترکیب بند ہیت کے آٹھ بندوں پر مشتمل ہے۔اس کی بحر کا مثمن مطوی موقوف مکسوف ہے۔اس کا وزن اور ارکان یہ ہیں:

مفتعلن فاعلن مفتعلن فاعلات

اس نظم میں سبک اور نفس منطق پائی جاتی ہے۔اس کے مختلف اجزا ایک دوسرے سے حیرت انگیز ایمائیت اور روشن محاکات کے ذریعے ملے ہوئے ہیں۔دوسرے شاعروں کی طرح اقبال بھی تصورات سے شعریت کی تخلیق پر زبردست قدرت رکھتے ہیں اور جیسا کہ نظم کے اختتامیہ بند سے ظاہر ہے وہ ہمیں جدید انگریزی شاعر ٹی۔ایس۔ایلیٹ کی یاد دلاتے ہیں۔مسجد قرطبہ استعادہ ہے ایک قوم کی فطانت اس کے اجتماعی حافظے، یعنی تاریخ اور ملی شعور کا اس نظم میں مندرجہ ذیل خوبیاں ہیں:

ایجاز و بلاغت:

یہ نظم اقبال کے فن کا نادر نمونہ ہے۔پوری نظم کا ہر بند، ہر بند کا ہر شعر اور ایک ایک ترکیب ایجاز و بلاغت اور جامعیت کا حیرت انگیز نمونہ ہے۔اس میں اقبال نے بہت سے اہم نظریات مثلاً نظریہ عشق، نظریہ فن، مرد مومن، وغیرہ بیان کیے ہیں لیکن اختصار کی خوبی اور ہر جگہ نمایاں ہے۔اختصار کے ساتھ جزئیات اور تفصیلات بھی دی گئی ہیں اور یہی اقبال کا فن ہے۔کائنات کے ازلی و ابدی حقائق دنیا کی تاریخ صداقتوں اور زندگی کے نفسیاتی مسائل کو بڑے بلیغ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔اس سے کہیں الجھن اور پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی۔چند مثالیں دیکھیے:

عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ

عشق خدا کا رسول ، عشق خدا کا کلام
ہاتھ اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ

ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
دیکھ چکا المنی شورش اصلاح دین

اوراسی طرح بہت سی ترکیبوں میں جہاں معنی پوشیدہ ہیں مثلاً کعبہ ارباب فن حامل خلق عظیم ۔عصمت پیر کنشت، قافلہ سخت جان وغیرہ۔

تنوع:

اس نظم میں موضوع اور لب ولہجہ دونوں اعتبار سے تنوع پایا جاتا ہے۔ بظاہر قرطبہ کی عالی شان مسجد میں بہت سے موضوع زیر بحث لائے گئے ہیں۔مثلاً نظریات زبان ومکاں، عشق فن اور مرد کامل۔مسجد کی عظمت و رفعت اور حسن و پاکیزگی۔ یورپ کے بعض فکری اور سیاسی انقلابات۔مسلم ہسپانیہ کی عظمت اور یورپ پر مسلم تمدن کے اثرات۔ملت اسلامیہ کے احیا کے امکانات۔اس کے علاوہ بعض ضمنی اور غیر اہم موضوعات پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔نظم کا لب ولہجہ بھی متنوع ہے۔ پہلا بند فلسفیانہ ہے۔بعد میں سوز وگداز سے لبریز بند ہے۔جہاں مرد مومن کی صفات اور عشق کی تخلیقی قوت کا بیان ہے۔ وہاں شاعر کا لہجہ بڑا مفکرانہ ہے اور اختتام پر اس کا لہجہ پر جوش اور پیغمبرانہ ہے۔

فارسیت:

اس نظم میں بعض مکمل مصرعے فارسی میں ملتے ہیں۔مسجد قرطبہ ۱۹۳۳ء کی یادگار ہے۔ ۱۹۲۷ء میں زبور عجم لکھی گئی۔گویا یہ وہ دور ہے جب اقبال فارسی میں اپنے افکار پیش کر رہے تھے۔لہٰذا یہاں پر اسی کا اثر ہے مثلاً:

سلسلہ روز و شب تار حریر دور نگ

سلسلہ روز و شب صیرفی کائنات
کعبہ ارباب فن سطوت دین مبین

اور ایسے مصرع تو کثرت سے ملتے ہیں جن میں حرف یا امدادی فعل ایک آدھ لفظ کے سوا پورا مصرعہ فارسی میں ہے۔ مثلاً:

سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فضاں

تیرا منار بلند جلوہ گہ جبریل

عشق بلا خیز کا قافلۂ سخت جان
ملت رومی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب

عنانیت:

بعض مصرعوں میں مختلف تراکیب، الفاظ اور حروف کی تکرار قوافی کے استعمال سے صوتی نغمگی اور خوش آہنگی کا سبب بنتے ہیں مثلاً اوّل و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا۔ فنا کی تکرار۔ آخر اور ظاہر کے قافیوں اور ''ز'' کی آواز سے یا پھر دیکھیے:

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات ، عشق سے نارِ حیات

اس شعر میں لفظ حیات کی تکرار۔ ''ز'' کا صوتی اہنگ یا پھر اس شعر میں دیکھیے۔

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حروف وصوت میں ''گ'' کی تکرار یا اس کے زمانے عجیب...اس کے فسانے عجیب میں زمانے اور باقی الفاظ کی تکرار سے نغمگی کا احساس جاگتا ہے۔

دیگر محسناتِ نظم:

سید عابد علی عابد کے بقول تشبیہ اور استعارہ الگ توضیع مطلب کا فریضہ ادا کرے تو کمال کی حقیقت گری ہے۔ اقبال کے اکثر کلام میں تشبیہات اور استعارات کے استعمال کا مقصد محض آرائش کلام نہیں بلکہ توضیع معنی ہے۔ اقبال نے عشق کو دمِ جبریل، دلِ مصطفیٰ، خدا کا رسول، خدا کا کلام، فقیہِ حرم اور امیرِ جنود قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے ان استعارات کے ذریعے عشق کی ایسی وضاحت ہوتی ہے جو شاید کسی طویل تر تقریر یا مضمون میں ہو سکے۔ سید عابد علی نے اسی پہلو پر لکھا ہے۔ ''جب وہ (اقبال) دقیق تعقلات باریک تصورات اور لطیف افکار و اسرار کی توضیع کرنا چاہتے ہیں تو ایسی ایسی خوبصورت تشبیہیں اور استعارے استعمال کرتے ہیں کہ ان دیکھی چیزیں دیکھی معلوم ہوتی ہے۔(۷)

صنائع بدائع:

مسجد قرطبہ میں صفتیں بہت خوبصورتی سے بنائی گئی ہیں ان میں کسی بناوٹ کا شائبہ کبھی محسوس نہیں ہوتا:

صنعتِ تلمیح:

دیکھ چکا المنی شورشِ اصلاحِ دین
چشمِ فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب

صنعت ترافق:

عشق کے مضراب سے نغمۂ تار حیات

عشق سے نورِ حیات عشق سے نار حیات
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

صنعت تجنیس لاحق:

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

صنعتِ ردالعجز علی الصدر:

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات ، کارِ جہاں بے ثبات

صنعت طباق ایجابی:

اوّل و آخر فنا ، باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو ، منزل آخر فنا

محاکات (Imagery):

اس کی زمین بے حدود اس کا افق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دینوب و نیل
نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز
وادی کہسار میں غرق شفق ہے سحاب
لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب

بحیثیتِ مجموعی مسجدِ قرطبہ ایک ایسی نظم ہے جو شعریت، رومانیت، حقیقت پسندی، رمزیت اور ایمائیت کا بہترین امتزاج ہے۔ اس نظم پر بجا طور پر اردو شاعری فخر کر سکتی ہے اور جگن ناتھ آزاد کے بقول، ''اگر اردو شاعری میں اس نظم کے سوا کچھ بھی نہ ہوتا تو بھی ہماری شاعری دنیا کی صفِ اوّل کی شاعری میں ایک ممتاز مقام حاصل کر سکتی تھی۔''

حوالہ جات:

۱۔ خیابانِ اقبال، ص ۱۵۹
۲۔ بحوالہ خیابانِ اقبال، ص ۱۵۷
۳۔ بحوالہ اقبال کی طویل نظمیں، ص ۱۶۷
۴۔ پروفیسر اسلوب احمد انصاری، اقبال کی تیرہ نظمیں، لاہور: مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، نومبر ۱۹۷۷ء

۵۔ رفیع الدین ہاشمی، **اقبال کی طویل نظمیں**، لاہور: گلوب پبلشرز، ۱۹۲۰ء
۶۔ محمد طاہر فارقی و خاطر غزنوی، مرتبین؛ **ضیابانِ اقبال**، پشاور: یونی ورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار، ۱۹۴۴ء
۷۔ **فلسفہ اقبال**۔ بارسوم، لاہور: بزمِ اقبال کلب روڈ، ۱۹۷۰ء